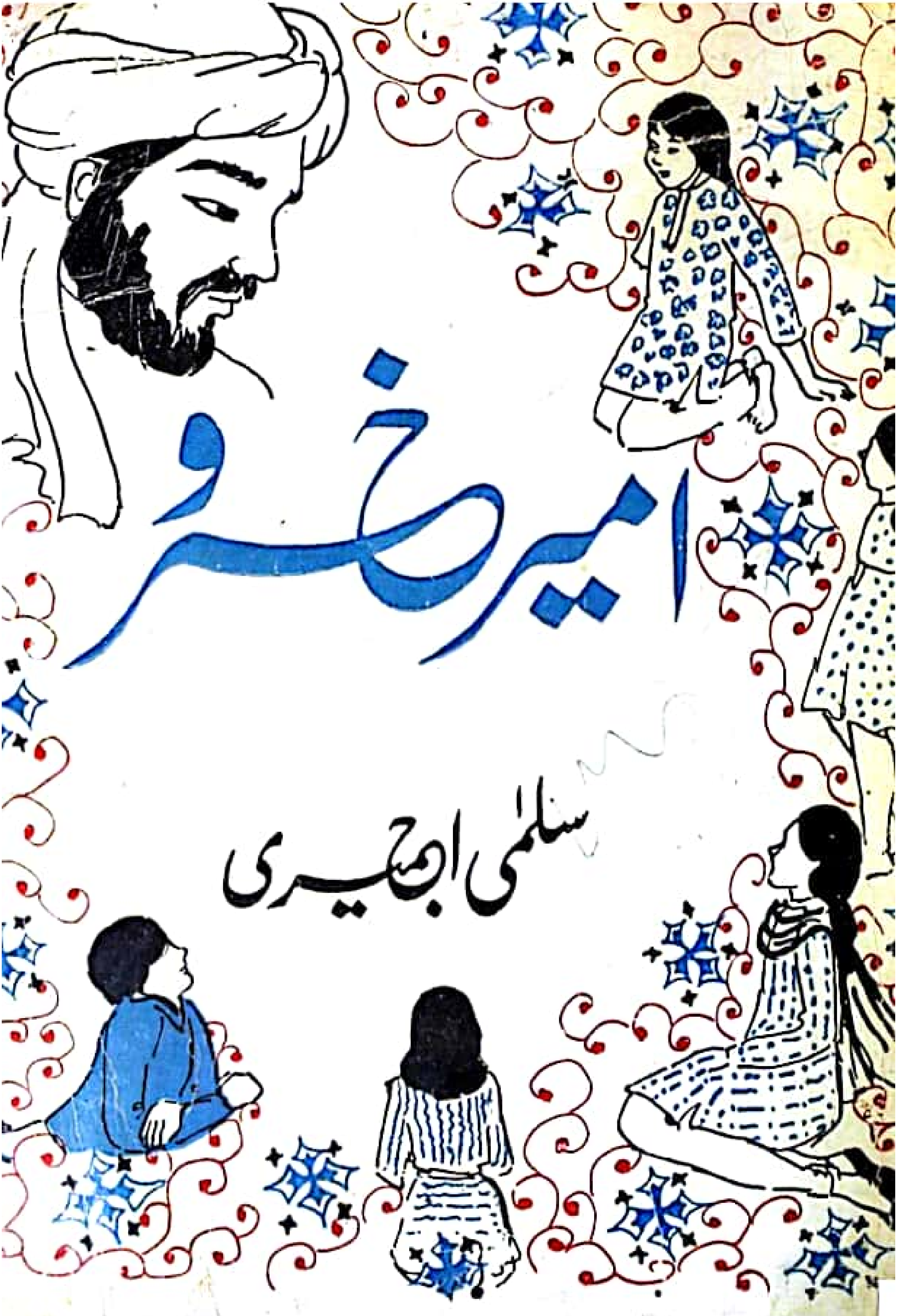
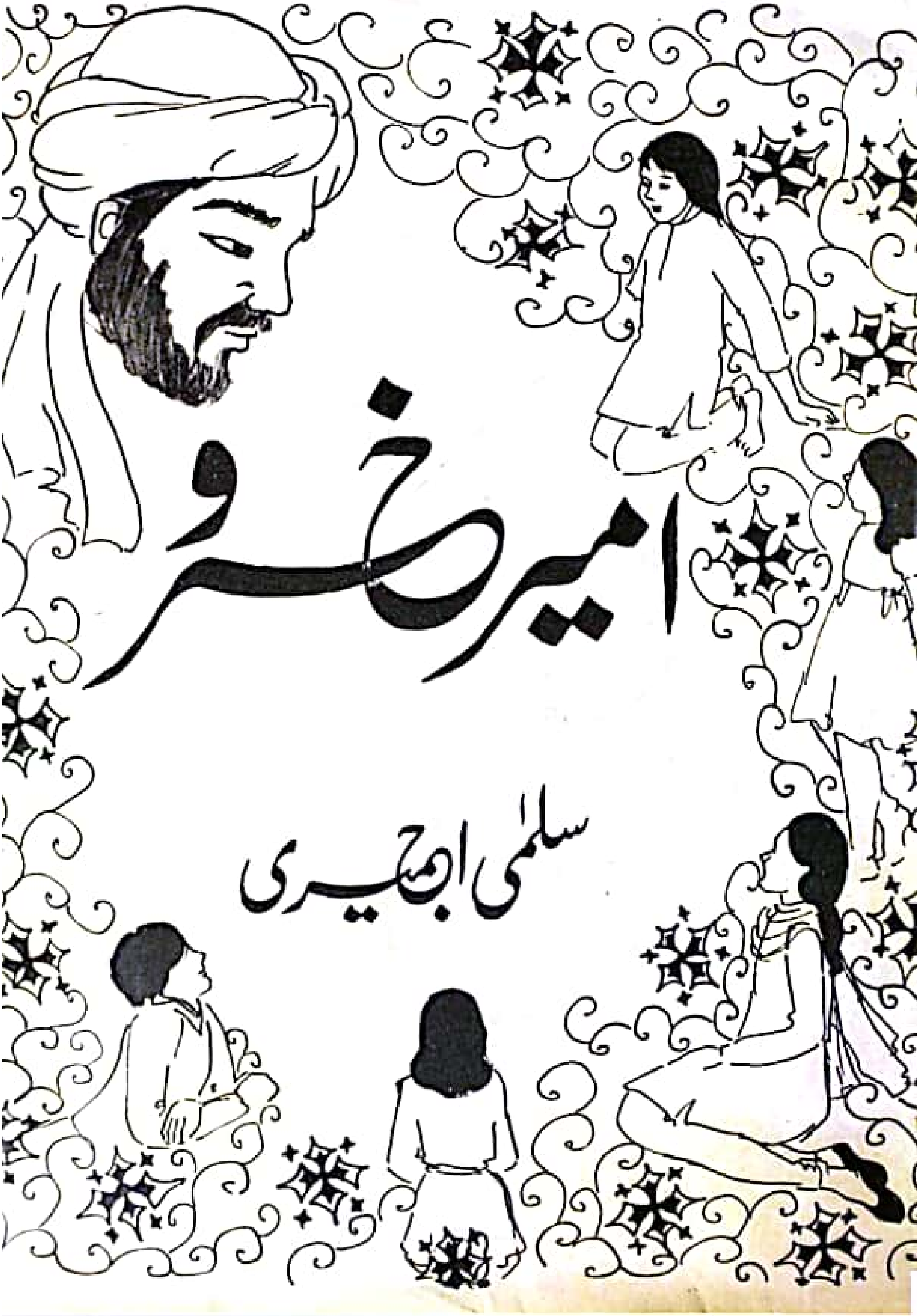


امیر خسرو

سلمیٰ اجمیری



امیر خسرو

سلمیٰ اجمیری

وزارتِ تعلیم، حکومتِ ہند کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ۔

تصاویر :— وینا دیولیشور

کتابت :— ذاکر امروہوی

سال اشاعت :- ۱۹۷۶ء

تعداد :— ایک ہزار

قیمت :— ۵/۵۰

Amir Khusro

تقسیم کار

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر، نئی دہلی 110025، اردو بازار 110006

پرنسس بلڈنگ بمبئی 400003، یونی ورسٹی مارکیٹ علی گڑھ 202001

مطبوعہ :- لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی 110006

اپنی پیاری اماں اور ابا

کے نام

جنھوں نے مجھے سلمیٰ اجمیری

بنایا

سلمیٰ



سید حسین احسن

فیس بک گروپ

کتابیں پڑھیے

03145951212



امیر خسرو دہلوی ہندوستان کی ان مایۂ ناز ہستیوں میں ہیں، جنھوں نے اس ملک کی مشترکہ تہذیب کو نئے ثمرے سے تقویت دی۔ نسلاً وہ ترک تھے لیکن ہندوستانی ہونے پر ہمیشہ ناز کرتے رہے۔ ان کی فارسی شاعری کا لوہا ایران والے بھی مانتے ہیں لیکن انھیں خود ناز تھا تو اپنے ملک کی زبان پر جسے وہ ہندوی کہتے ہیں۔ وہ ایرانی، عربی اور ترکی موسیقی پر دسترس رکھتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کے شاستری سنگیت اور رت کے بھی ماہر تھے۔ وہ دربار میں رہے اور بڑھے لیکن غریب آدمیوں کے لیے ان کے دل میں تڑپ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک کی تہذیب پر ان کی چھاپ اتنی گہری ہے۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ بچوں کی جان کاری کے لیے اتنی خوب صورت کتاب شائع کی جارہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اِسے پڑھ کر بچوں کے دل میں وطن سے پیار بڑھے گا۔

سیّد نورالحسن

وزیرِ تعلیم، حکومتِ ہند

نئی دہلی ۱۴؍فروری ۱۹۷۶ء

پہلی بات

بچّوں کے خسرو ـــــ "میر کھسرو"

بچپن تو گزر جاتا ہے لیکن اس کی یاد رہ جاتی ہے۔ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ بچپن کی باتیں زیادہ یاد آنے لگتی ہیں۔ ہم سبھی نے بچپن میں پہیلیاں سُنیں، گیت سُنے، کہ مکرنیوں کا لُطف اُٹھایا اور امیر خسرو کا نام اُن سے جُڑا ہوا پایا۔ یہ نام ہماری یادوں میں بس گیا ہے۔

سات آٹھ برس کی عمر سے وہ ننھیال میں پلے اور نانا کے چہیتے بچوں کی طرح شریر بھی نکلے۔ ان کی بچکانہ شرارتیں انوکھی ذہانت کے ساتھ شاعری میں ظاہر ہوئیں "دودھ کے دانت ٹوٹنے کے دنوں میں مُنہ سے شعر کے موتی جھڑتے تھے"۔ شاعری ایسوں کا ہی کام ہے جن کی فطرت میں رچی ہوئی ہو اور بچپن سے وہ بے ارادہ شعر کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہ کام بے ارادہ انجام نہیں پاتا۔ بڑی محنت اور بہت سا علم بھی چاہتا ہے خسرو نے اپنی اس کھیتی کو گہرے، پاٹ دار علم سے، سیر و سفر سے، زندگی کی سرگرمی سے اور دن رات کی محنت سے سیراب کیا، تب وہ بڑے شاعر اور بڑے آدمی بنے۔ وہ سنگیت کے بھی رسیا تھے، صوفیانہ زندگی کی سادگی، شرافت، رَواداری، مروّت نے اُن کی نظم اور نثر دونوں میں نرمی اور مٹھاس بھر دی ہے اسی سبب سے وہ آج تک باسی نہیں ہوئے۔ اپنے وقتوں کے ہندوستان پر انھوں نے اتنا کچھ لکھا ہے، ایسے پیار سے لکھا ہے، اپنے عام لوگوں پر اور ان کی دستکاری، ہُنر مندی اور کمال پر اپنی جان

چھوڑی ہے کہ ہندوستان کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی اَمر ہو گئے۔

سات سو برس گزرنے پر بھی ایک بڑے ہندوستانی شاعر اور خدا ترس انسان کی حیثیت سے دُنیا انھیں مانتی ہے۔ افغانستان والے انھیں بلخی کہہ کر خوش ہیں، ترکستان والے انھیں اپنا ہم قبیلہ بتا کر اپناتے ہیں، ایران میں ان کا کلام چھپتا اور گایا جاتا ہے، ترکی سے لے کر لندن تک ہر ایک کتب خانے میں اُن کی قلمی کتابیں سنبھال کر رکھی گئی ہیں اور ہندوستان کے تو وہ تھے ہی سچے سپوت۔ یہاں ان کی کتابوں میں تاریخی سچائیاں تلاش کی جاتی ہیں اور تاریخِ ہند میں ٹانکی جاتی ہیں، اُن کے سینے میں فطرت اور انسان کی جو محبت بھری ہوئی تھی وہ کلام میں چھلک گئی ہے۔ ان کے قلم نے بادشاہوں سے نسبت دے کر جو کلام چھوڑا وہ بادشاہوں کا نہیں، عام و خاص لوگوں کا شاہنامہ بن گیا ہے۔

موسیقی میں جو انھیں کمال تھا وہ بھی کچھ تو پیدائشی اور کچھ اس وجہ سے کہ سندھ و پنجاب سے لے کر بنگال اور مہاراشٹر تک انھوں نے ہر علاقے کے سنگیت پر، ساز و آواز پر گہری نظر رکھی۔ اس سے سیکھا بھی اور پیوند لگا کر کچھ بڑھایا بھی۔ ہندوستانی خسرو کی فارسی غزلیں خود فارسی شاعروں کے بہترین خزانے میں شمار ہوتی ہیں۔

جس طرح امیر خسروؔ کا قلم اپنے زمانے کی سادہ اور رنگین تصویریں بناتا چلتا ہے، ایسے ہی بچوں بالوں کے لیے سلمٰی اجمیری کی یہ تصویری کتاب یہ جالر، گوٹ اور پھُندنے والی کتاب ایک البم بن گئی ہے جو دیکھنے قابل بھی ہے، پڑھنے قابل بھی اور احتیاط سے رکھنے قابل بھی۔ وزارت تعلیمات نے اس کی اشاعت میں مدد دے کر ایک خدمت انجام دی ہے۔ فقط

ظ انصاری

اقوام متحدہ نے ۱۹۷۹ء کو بچوں کا بین اقوامی سال قرار دیا ہے۔
یہ چھوٹی سی کتاب جو امیر خسرو کی زندگی کی کہانی ہے، بچوں کی نذر ہے۔
—— پیارے بچوں کے لیے ان کے اپنے سال میں ایک پیارا تحفہ ——

یہ کتاب جناب حسن الدین احمد کی حوصلہ افزائی اور مرکزی وزارتِ تعلیم کی مدد کا نتیجہ ہے۔ میں ان سب کی بے حد ممنون ہوں۔ مکتبہ جامعہ نے بڑے سلیقے سے اس کتاب کو چھاپا اور بچوں تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ میں ان تمام دوستوں کا بھی بڑے خُلوص سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے وقتاً فوقتاً کتاب کی تیاری میں میری مدد کی۔

جتنے شوق اور محنت سے میں نے یہ کتاب لکھی ہے، امید ہے کہ بچے بھی اتنے ہی شوق اور دل چسپی سے اُسے پڑھیں گے اور لطف اُٹھائیں گے۔

سلمیٰ اجمیری



صغیر احمد صوفی کی یہ نظم ایس ایس لانبہ کی کتاب "ہندِ خسرو" کے شکریے کے ساتھ

اک عاشقِ صادق تھا، اک رہبرِ کامل تھا
وہ مردِ قلندر تھا ، ہر علم کا شیدائی
ہندو ہو مسلماں ہو کس دل میں نہیں گونجی
اس ہند کے طوطی کی آواز کی شہنائی
اشعار سے پھیلایا پیغام محبت کا
موسیقی کے نغموں سے، کی انجمن آرائی
دُنیا سے گئے اس کو یوں سات صدی گزری
باقی ہے مگر اب تک اس کی وہی رعنائی

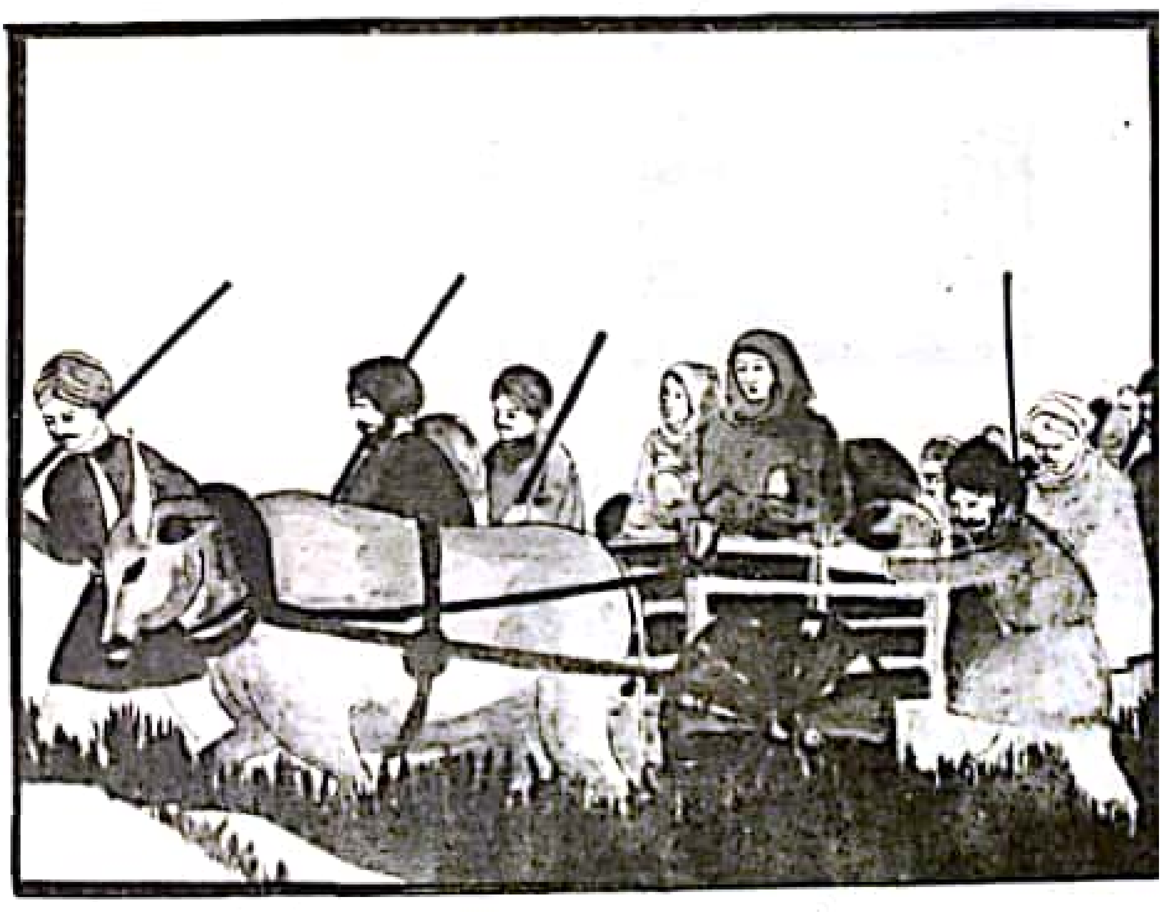


امیر خسرو کا نام ابوالحسن یمین الدین ہے

خسرو کے باپ دادا ترک نسل سے تھے ۔ امیر خسرو کے باپ امیر سیف الدین محمود ترکستان کے ہزارہ لاچین قبیلے کے سردار تھے۔ یہ قبیلہ چنگیز خانی حملوں سے بے وطن ہوکر بلخ میں آبسا تھا۔ بلخ اس وقت ایک زبردست قلعہ بند شہر اور تہذیب وتمدن کا مرکز تھا۔



۱۲۲۰ عیسوی میں منگول فوجیں چنگیز خاں کی سپہ سالاری میں سمرقند بخارا کو فتح کر کے ترمذ شہر کو برباد کر کے بلخ کی طرف بڑھیں تو سارے ملک میں افراتفری پھیل گئی ۔ غریب تو غریب بڑے بڑے امیر اور سردار بھی بے گھر ہو گئے ۔ جو بے چارے باقی بچے وہ بھی اتنے ڈرے اور سہمے ہوئے تھے کہ وہاں رہنا نہیں چاہتے تھے ۔ انھوں نے اپنے وطن کو چھوڑنا ہی مناسب سمجھا اور پناہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر نکل پڑے ۔



بھاگ کر ہندوستان آنے والوں میں خسرو کے باپ امیر سیف الدین لاچین (بلخی) بھی تھے۔



اس زمانے میں شمالی ہندوستان پر سلطان شمس الدین التمش کی حکومت تھی۔ قطب مینار کے پاس اس مشہور بادشاہ کی قبر ہے۔ سلطان شمس الدین التمش نے امیر سیف الدین کو بڑی عزت سے اپنے دربار میں جگہ دی اور ساتھ ہی فوج کا ایک بڑا عہدہ بھی دیا۔

امیر سیف الدین کو متھرا سے پورب کی طرف جانے والی سڑک پر ایک قصبے پٹیالی میں جو دریائے گنگا کے کنارے آباد ہے، جاگیر ملی ۔ یہ جگہ اس زمانے میں ایک فوجی چھاؤنی تھی ۔ وہ یہیں بس گئے ۔ پٹیالی کا نام مومن آباد بھی تھا اور اس کے نزدیک قائم گنج پٹھانوں کی آبادی تھی (اب بھی ہے) سات سو سال کے بعد اس قصبے کا نام اب "خسرو نگر" ہو جائے گا ۔

ترک سردار اور اس کے ساتھیوں نے نہایت وفاداری سے بادشاہ کی خدمت کی ۔ اور سلطنت کے وسیع کرنے میں اس کی بہت مدد کی ۔



امیر سیف الدین کی شادی غیاث الدین بلبن کے وزیر جنگ
عماد الملک کی بیٹی سے ہوئی ۔ یہ ایک سیاہ فام ہندوستانی تھے ۔
خسرو کی ماں کا نام دولت ناز تھا جن سے چار بچے ہوئے۔
تین لڑکے اور ایک لڑکی ۔ منجھلے لڑکے ابوالحسن یمین الدین
بعد میں خسرو
کے نام سے
مشہور ہوئے۔





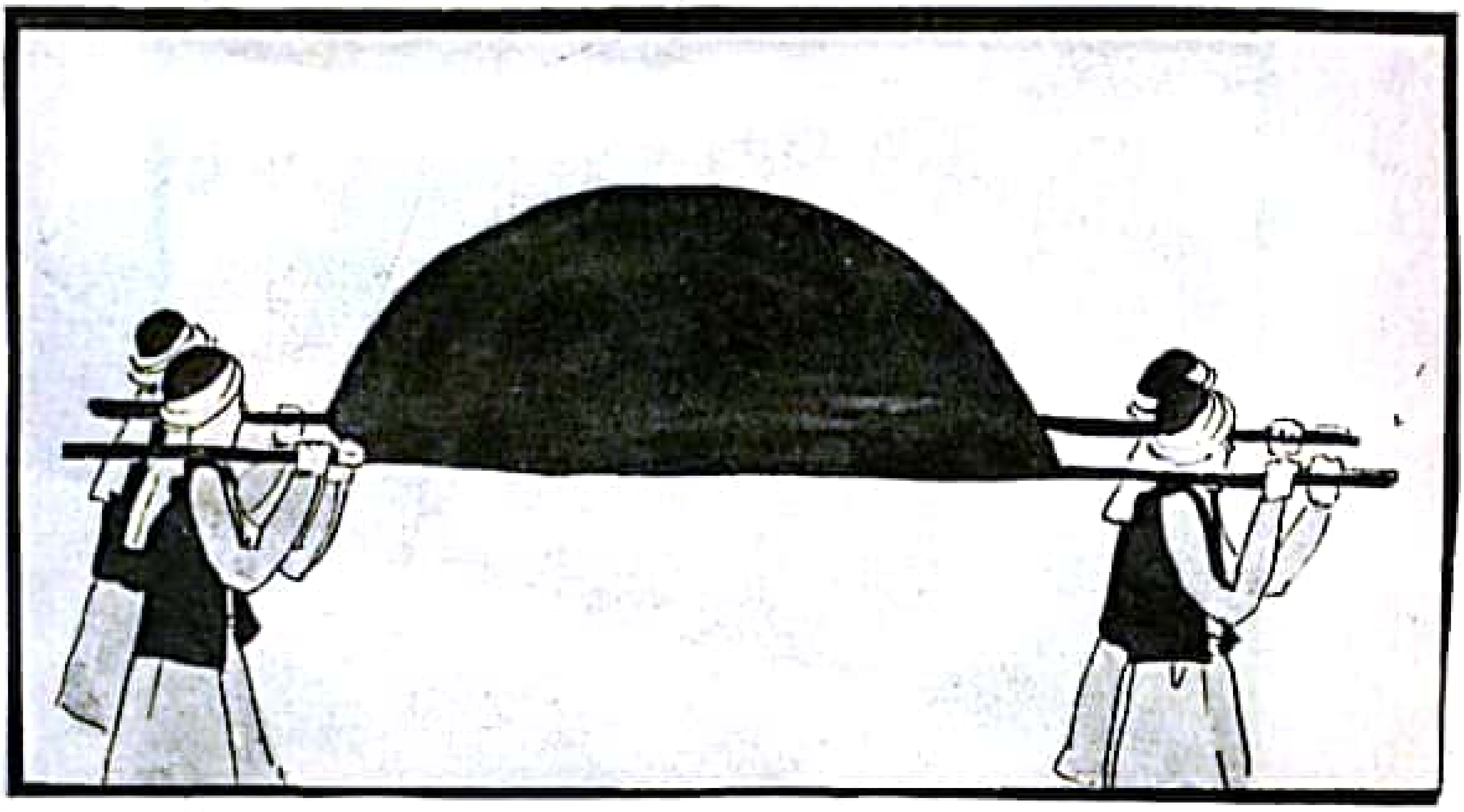


خسرو بچپن ہی سے ذہین اور ہونہار تھے ۔ بہت جلد انھوں نے ابتدائی تعلیم ختم کرلی ۔ ان کے استاد کا نام سعدالدین یا اسدالدین محمد تھا ۔ اور قاضی کے نام سے مشہور تھے ۔ خسرو ہر وقت گنگنایا کرتے تھے ۔ اکثر تختی پر خوش خطی کی مشق کرنے کے بجائے شعر لکھتے تھے ۔ اچھی پرورش اور اچھی تربیت کی وجہ سے خسرو کی خوبیاں اور نکھر آئیں۔









خسرو ابھی صرف آٹھ سال کے تھے کہ ان کے والد ایک لڑائی میں مارے گئے۔



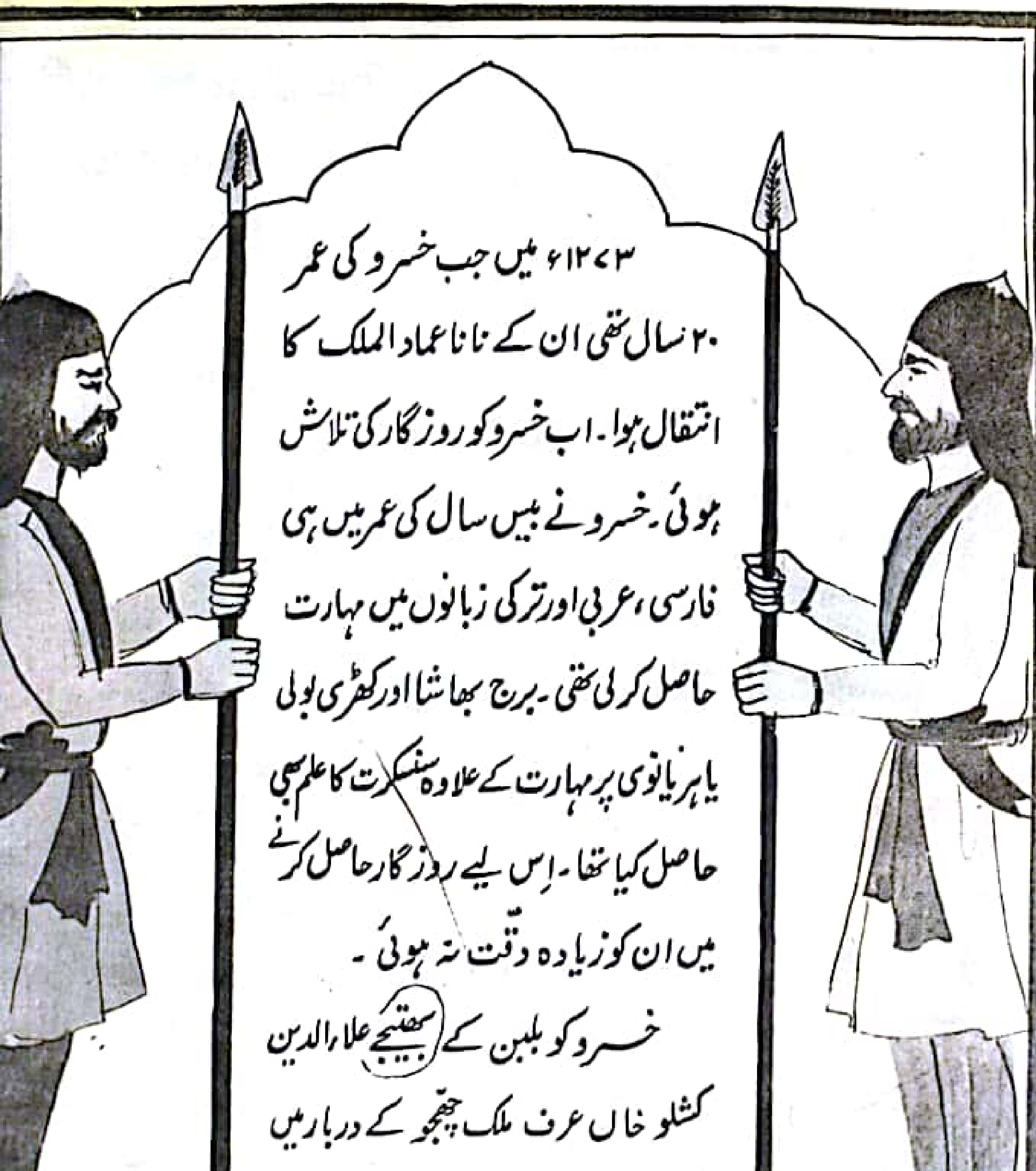
اب ان کی ماں کا پٹیالی میں اکیلا رہنا مشکل تھا اور وہ بچوں کے ساتھ دہلی واپس آگئیں۔ باپ کی موت نے خسرو کو بہت اُداس کر دیا تھا لیکن نانا نے پوری کوشش کی کہ باپ کی کوششیں بے کار نہ جائیں۔ انھوں نے اس ہونہار اور ذہین بچے کی



نگرانی اپنے ذمّے لے لی۔ عماد الملک نہایت مہربان اور دریا دل آدمی تھے۔ انھوں نے بڑی محبت اور توجہ سے خسرو کی پرورش کی اور کوشش کی کہ ان کا قدرتی جوہر پوری طرح چمکے



خسرو کو بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ چھوٹی سی ہی عمر میں انھوں نے فارسی کے بڑے شاعروں کا کلام پڑھنا شروع کر دیا تھا وہ یہ بھی کوشش کرتے تھے کہ انھی کی طرح کے شعر کہیں۔ انھوں نے بارہ سال کی عمر سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ خسرو نے اپنا پہلا دیوان جس کا نام تحفۃ الصِغَر یعنی بچپن کا تحفہ تھا تقریباً ۲۰ سال کی عمر میں پورا کیا۔ اُن کے اتنی کم عمری کے اشعار بھی بہت اچھے ہیں۔ خسرو نہ صرف ایک اچھے شاعر تھے بلکہ بڑے حاضر جواب حسّاس، ملنسار اور ہنس مکھ انسان تھے۔ خسرو میں ایک اچھے درباری بننے کی تمام خوبیاں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِن کے زمانے میں ایک کے بعد ایک بادشاہ نے ان کی بڑی قدر کی، اور عزّت بخشی۔

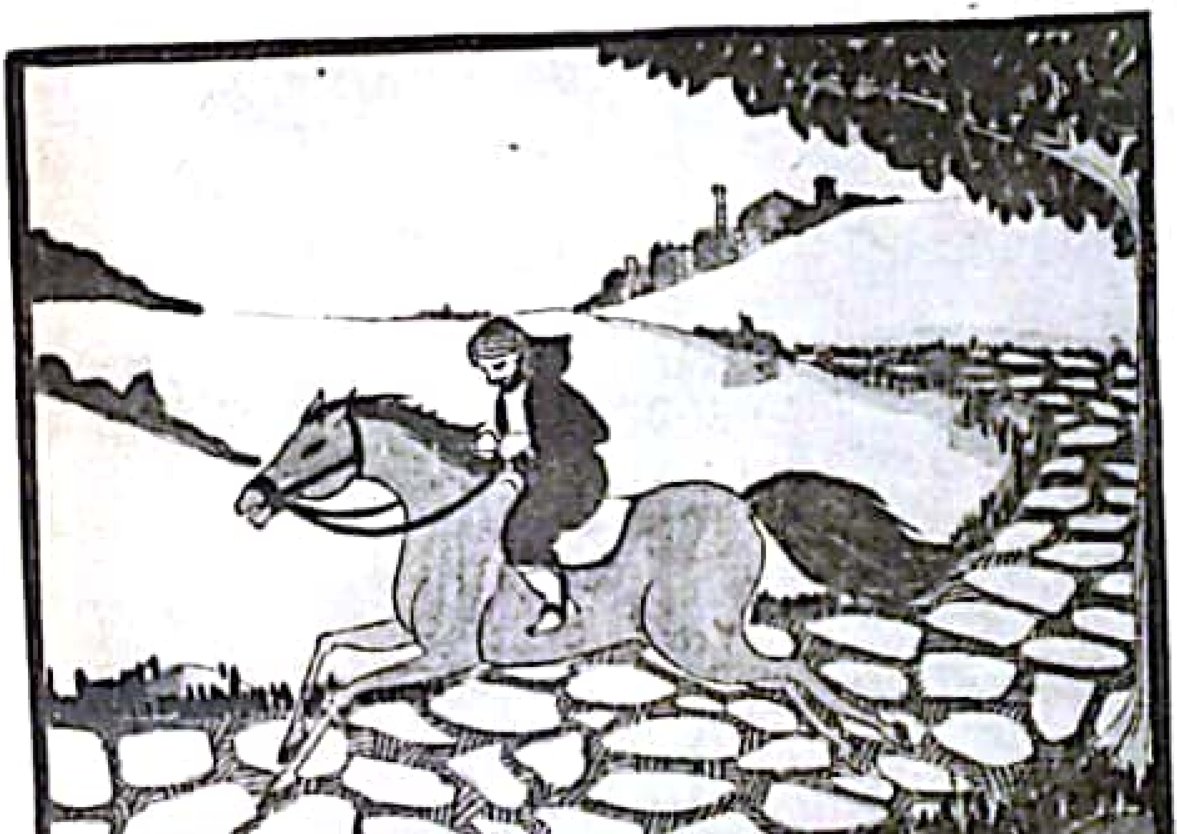


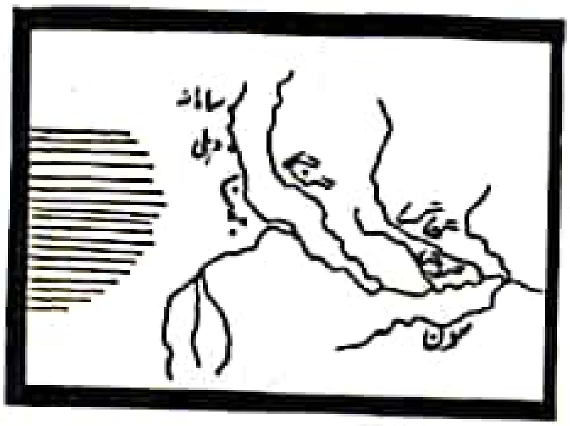
۱۲۷۳ء میں جب خسرو کی عمر ۲۰ سال تھی ان کے نانا عماد الملک کا انتقال ہوا۔ اب خسرو کو روزگار کی تلاش ہوئی۔ خسرو نے بیس سال کی عمر میں ہی فارسی، عربی اور ترکی زبانوں میں مہارت حاصل کرلی تھی۔ برج بھاشا اور کھڑی بولی یا ہریانوی پر مہارت کے علاوہ سنسکرت کا علم بھی حاصل کیا تھا۔ اِس لیے روزگار حاصل کرنے میں ان کو زیادہ دقّت نہ ہوئی۔

خسرو کو بلبن کے بھتیجے علاء الدین کشلو خاں عرف ملک چھجو کے دربار میں جگہ مل گئی۔

ملک چھجو اپنی بہادری اور دریا دلی میں مشہور تھا۔ دو سال تک خسرو کی زندگی بڑے آرام سے گزری لیکن ایک روز یونہی کسی چھوٹی سی بات پر دونوں میں رنجش ہوگئی اور خسرو کو یہ ملازمت چھوڑنی پڑی۔

ملک چھجو کی ملازمت چھوڑنے کے بعد خسرو نے بلبن کے بیٹے بغرا خاں کے دربار میں پناہ لی۔

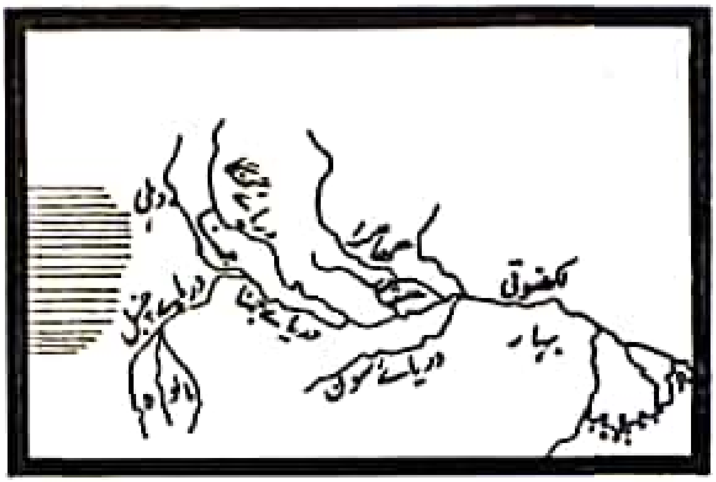




بغرا خاں ان دنوں سامانہ کا صوبہ دار تھا۔ سامانہ، پٹیالہ کے نزدیک پنجاب اور کشمیر کے راستے میں دہلی کی چھاؤنی تھی۔ بغرا خاں نے خسرو کی بڑی آؤ بھگت کی اور عزّت سے اپنے دربار میں جگہ دی۔ خسرو نے سامانہ میں ہی پنجابی زبان سیکھی۔

ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ بنگال میں لکھنوتی کے علاقے میں بغاوت ہوگئی۔ بلبن نے بغرا خاں کو لکھنوتی کی بغاوت کچلنے کا حکم دیا۔ بغرا خاں نے خسرو سے بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ لکھنوتی میں باغیوں کے سردار طغرل کو شکست ہوئی اور بغرا خاں فتحیاب ہوا۔



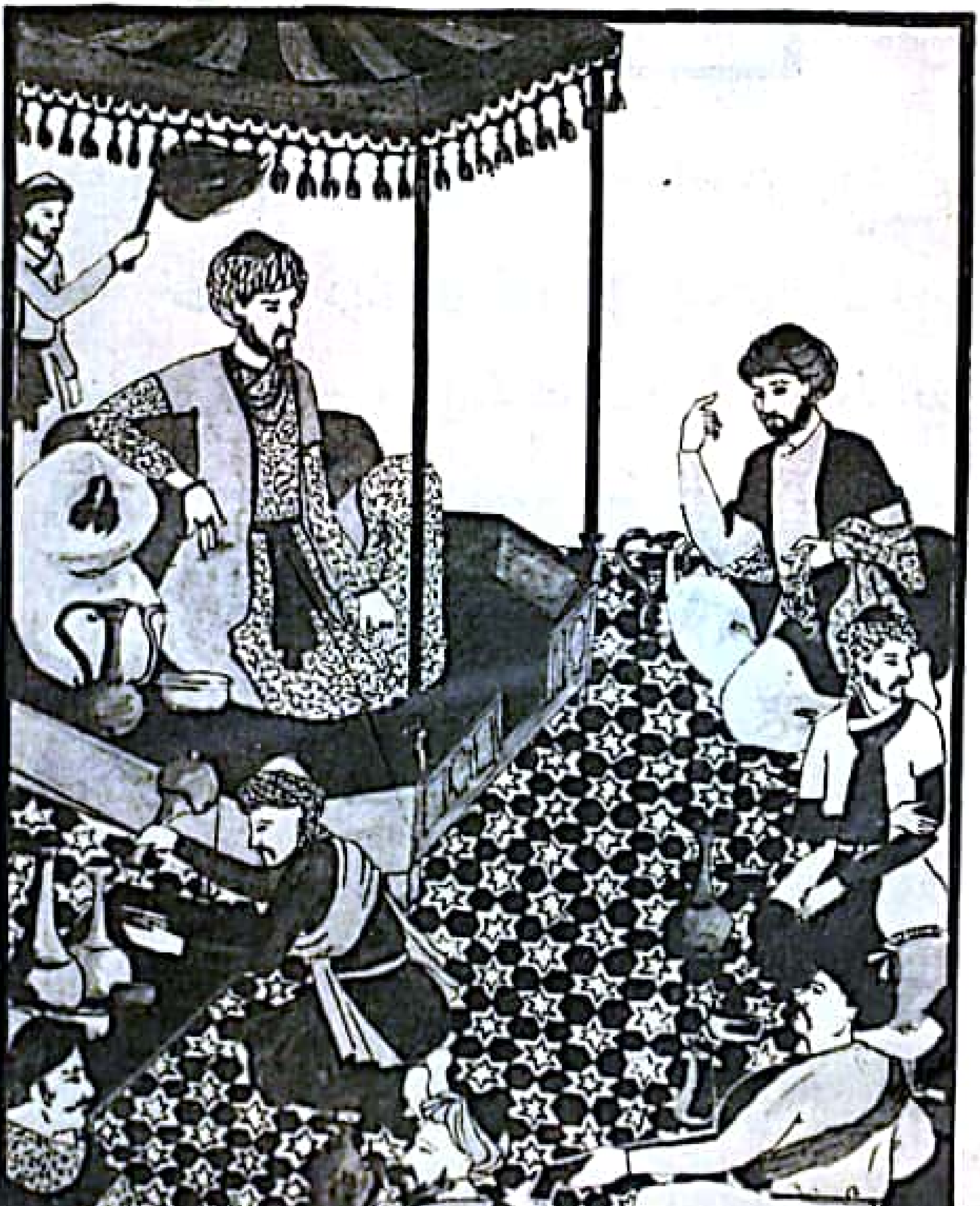


خسرو نے بغرا خاں کی اس کامیابی پر ایک لمبی نظم فتح نامہ لکھی اور بلبن نے اس کامیابی کے صلے میں بغرا خاں کو بنگالہ اور لکھنوتی کی حکومت بخشی ۔ اس زمانے کے مشہور شاعر اور ادیب شمس الدین دبیر کے ذمّے شہزادے کو صلاح مشورہ دینے کا کام سپرد ہوا ۔ انھوں نے چاہا کہ خسرو بھی ان کے ساتھ ہی رہیں ۔ لیکن خسرو کو بنگال کی مرطوب آب و ہوا راس نہ آئی اور وہ جلد ہی دہلی لوٹ آئے ۔ دہلی میں ان کی ملاقات بلبن کے بڑے بیٹے شہزادہ محمد سلطان سے ہوئی ۔





شہزادہ محمد ملتان کا صوبہ دار تھا۔ وہ شاعروں اور عالموں کا بڑا قدر دان تھا۔ اسے خسرو کی ملنسار طبیعت اور شاعری بہت پسند آئی۔ وہ خسرو کو اپنے ساتھ ملتان لے گیا۔ اِس وقت خسرو کی عمر ۲۸ برس کی تھی۔ شہزادہ محمد کے دربار میں خسرو کی بڑی عزت ہوئی اور ان کا شمار دربار کے امیروں میں ہونے لگا۔



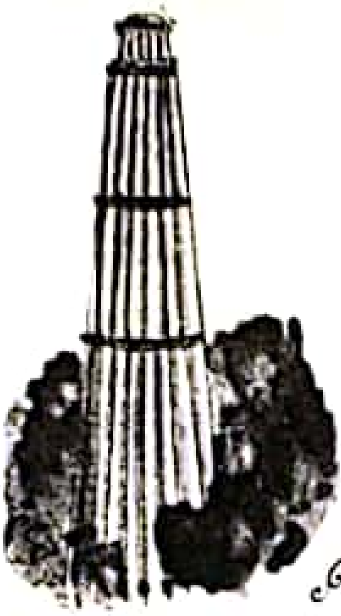
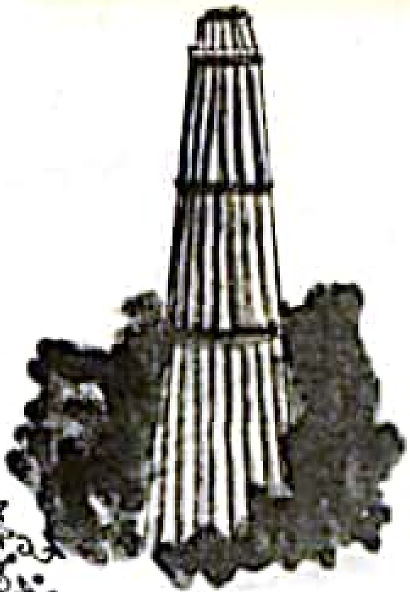


۱۲۸۴ عیسوی میں منگولوں کے لشکر نے اپنی پچھلی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ملتان پر حملہ کیا۔ اس حملے میں شہزادہ محمد مارا گیا اور خسرو قید ہو گئے۔ ایک منگول سوار انھیں رسّی سے جکڑے ہوئے کھینچتا لے جا رہا تھا کہ پیاس کے مارے وہ ایک دریا کنارے اُترا۔ گھوڑے اور سوار نے ڈگڈگا کر پانی پیا اور وہیں مر گئے۔ خسرو نے ہونٹ تر کیے اور رسّی کھول کر پیدل بھاگ نکلے۔ ہوتے ہواتے دہلی پہنچے۔ بلبن ۸۰ سال کا بوڑھا بادشاہ جوان بیٹے کی اچانک موت سے نڈھال تھا شہر بھر میں سوگ چھایا ہوا تھا۔ خسرو نے شہزادہ محمد کی موت پر ایک ایسا دردناک مرثیہ لکھا جسے سنتے ہی آنکھ میں آنسو آجاتے ہیں۔



اب خسرو کی شہرت عام ہوگئی تھی ۔ نہ صرف سلطان اور درباروں کے امیران کی شاعری کو پسند کرتے تھے بلکہ عام لوگ بھی انھیں جاننے لگے تھے ۔ شہزادہ محمد کی وفات کے بعد خسرو اپنے وطن پٹیالی چلے گئے ۔

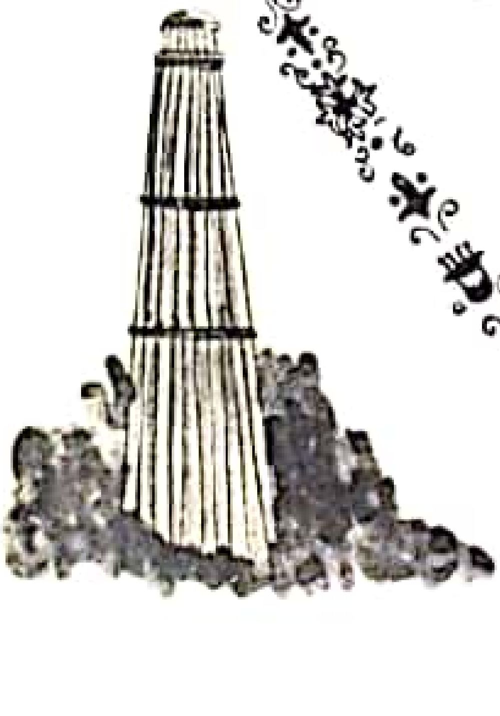
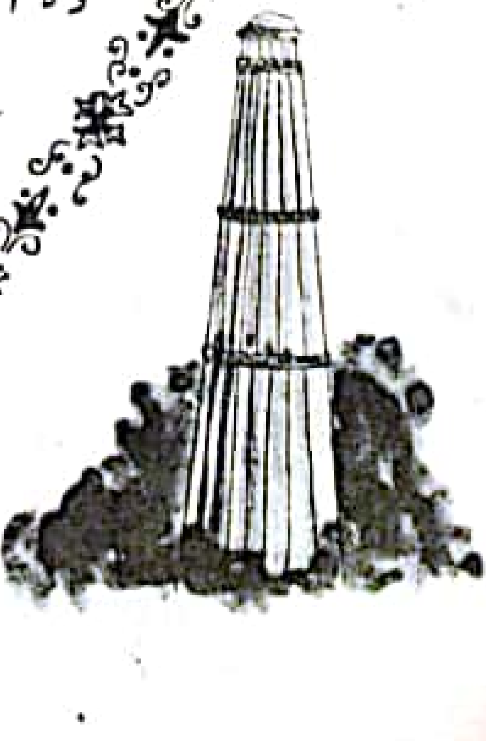


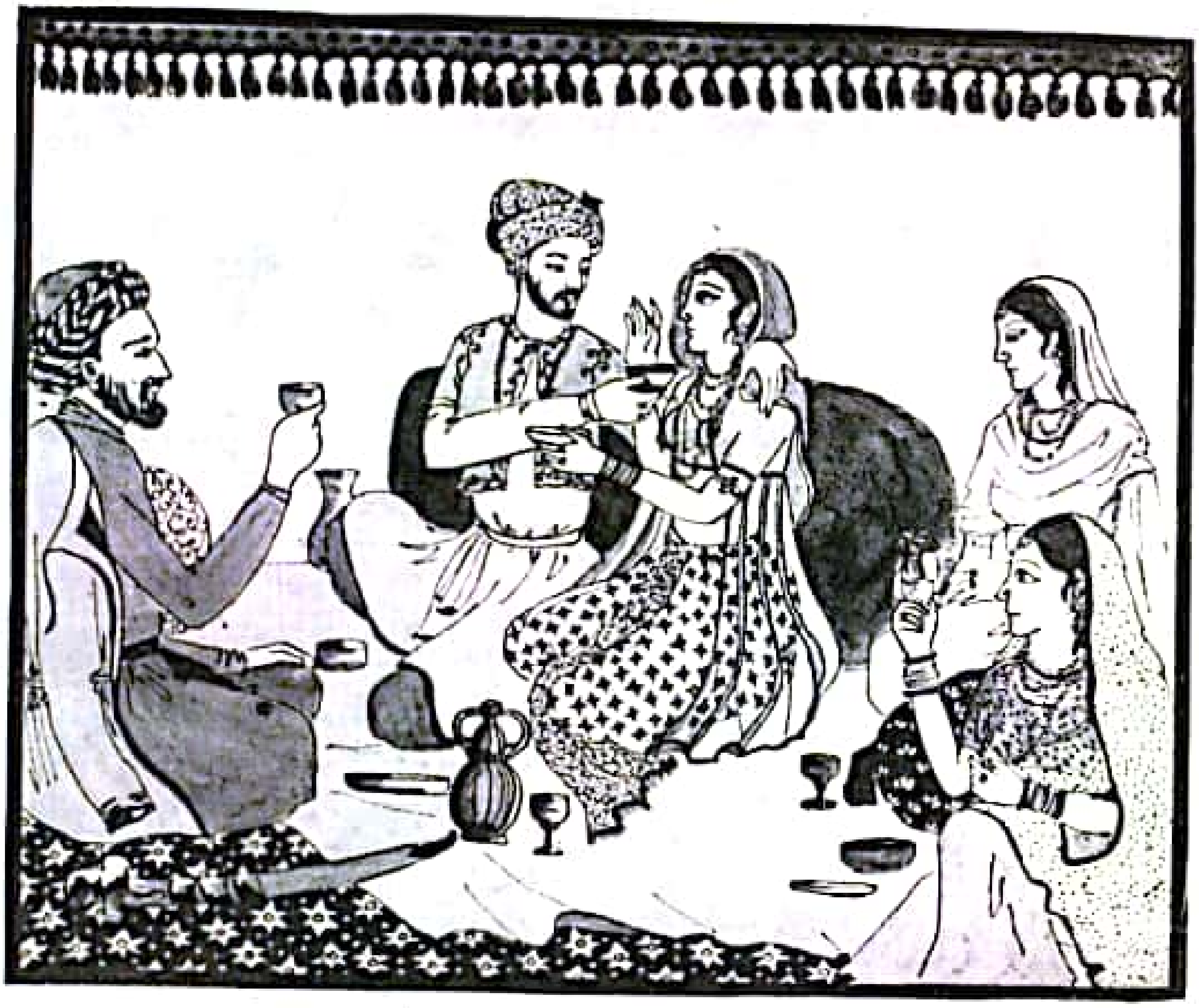



یہاں
ان کا تعلق
امیر علی سرجاندار سے
ہوگیا جو اپنی سخاوت کی وجہ
سے حاتم خاں کے نام سے مشہور تھا۔

خسرو نے امیر علی سرجاندار کے یہاں ملازمت
کرلی۔ جب وہ اودھ کا حاکم مقرر ہوا تو خسرو کو بھی
اپنے ساتھ لے گیا۔

خسرو دو سال تک اودھ میں رہے لیکن دہلی کی یاد
انھیں برابر ستاتی رہی، آخر امیر کی اجازت لے کر
وہ اس دہلی میں لوٹ آئے جو انھیں
بے حد عزیز تھی۔



کیقباد عیاش اور نا اہل بادشاہ تھا۔ شراب پینا، ناچ دیکھنا۔ گانا سُننا بس یہی اس کے کام تھے۔ اس کی ان غلط حرکتوں سے باپ دادا کی محنت سے حاصل کی ہوئی سلطنت برباد ہونے لگی۔



جب کیقباد کے باپ بغرا خاں کو اس بات کی خبر ہوئی تو وہ سلطنت کو بچانے کی خاطر بنگال سے فوراً دہلی کی طرف روانہ ہوا ۔ کیقباد بھی مقابلے کے لیے تیار ہوگیا ۔ دونوں لشکر دریائے سرجو کے کنارے آمنے سامنے ہوئے ۔



لیکن دونوں طرف کچھ
نیک دل لوگ بھی تھے۔ باپ بیٹے
میں آخر صلح صفائی ہو ہی گئی اور
یوں ایک بڑی لڑائی کے خطرے
سے لوگوں کی جان بچ گئی۔ کیقباد
کے کہنے پر خسرو نے اس موقع
پر مشہور مثنوی "قران السعدین"
(اچھے ستاروں کا ملاپ) لکھی
اور سلطان کی خدمت میں پیش
کی۔ سلطان
نے مثنوی بے حد
پسند کی اور خسرو کو
ملک الشعرا یعنی
شاعروں کے بادشاہ
کا خطاب دیا۔ خسرو
کو درباری زندگی
میں پہلی بار اتنا بڑا
شاہی خطاب حاصل
ہوا تھا۔ وہ خوشی سے
پھولے نہ سمائے۔

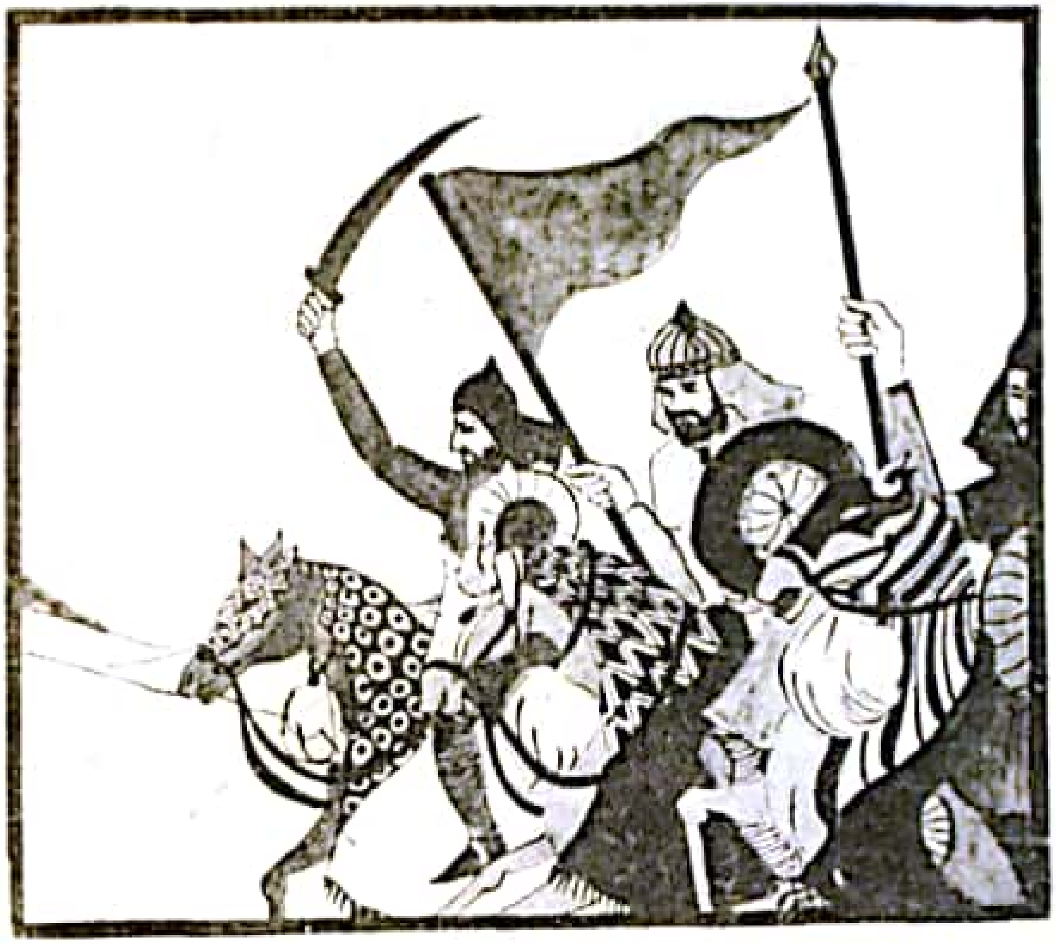


کیقباد کو سلطنت کے کاموں سے بالکل دلچسپی نہ تھی حکومت آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگی۔ الگ الگ نسلوں اور گروہوں کے سردار حکومت حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ ملک میں لڑائی جھگڑا، فتنہ فساد پھیل گیا۔

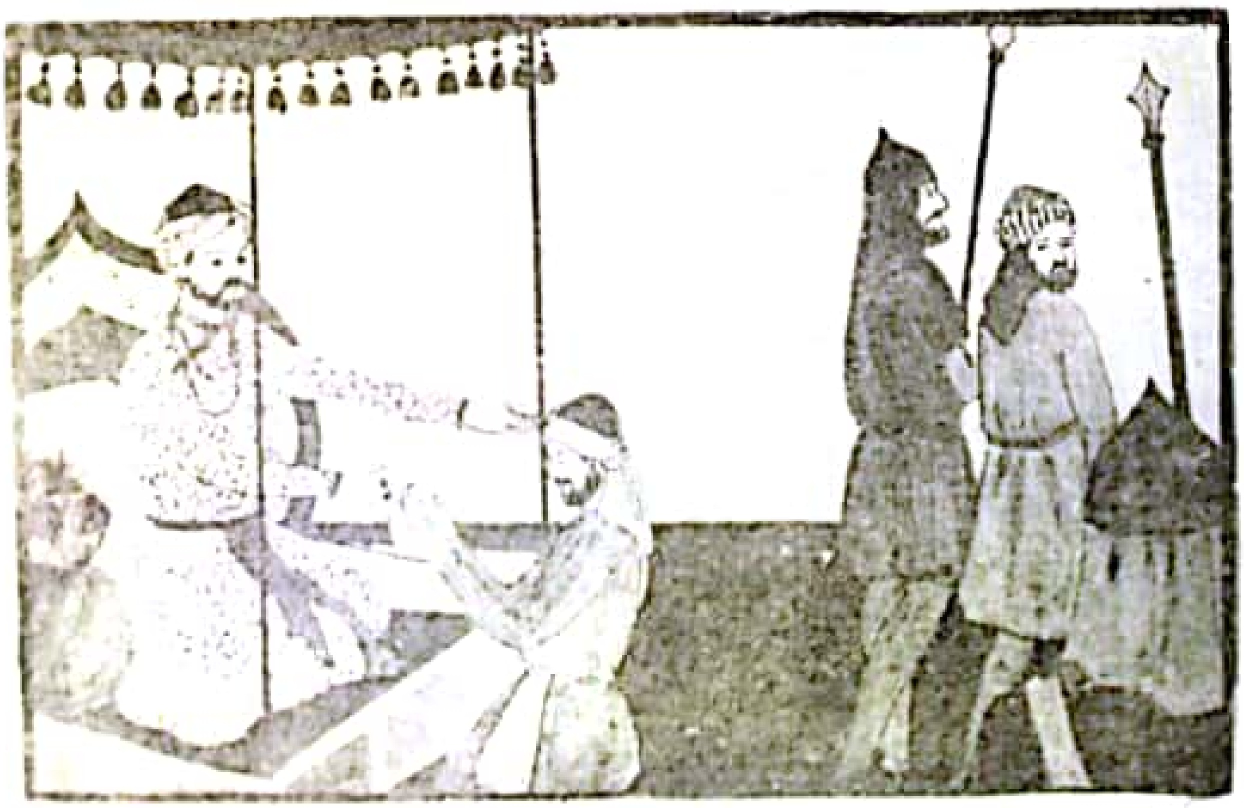
ہندوستانی مسلمان جو خلجی قبیلے کے طرفدار تھے چاہتے تھے کہ ترک سرداروں کو نیچا دکھائیں اور اُن کی حکومت کو ختم کردیں۔ اب کیقباد بیمار رہنے لگا تھا اور حکومت کا انتظام اس کے ایک وزیر جلال الدین کے ہاتھوں میں تھا۔

جلال الدین نے کیقباد کے نا بالغ لڑکے شمس الدین کو تخت پر بٹھا کر خود حکومت کا اِنتظام سنبھال لیا۔ جلال الدین کی عمر اس وقت کوئی ستّر برس کی تھی اور اُسے دنیا کا خوب تجربہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ساری حکومت کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔ بہت جلد اس نے شمس الدین کو اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ دہلی کی تاریخ کا ایک اہم باب ختم ہوا۔ راج پاٹ بدلا اور ۱۲۹۰ عیسوی میں ہندوستان کی حکومت خلجی خاندان کے ہاتھ آگئی۔

ابھی جلال الدین کو تخت پر بیٹھے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ ملک چھجو اور امیر علی سرجاندار نے بغاوت کر دی۔ جلال الدین تجربہ کار بادشاہ تھا۔ اس نے فوراً بغاوت پر قابو پا لیا۔ ملک چھجو کو قیدی بنا کر

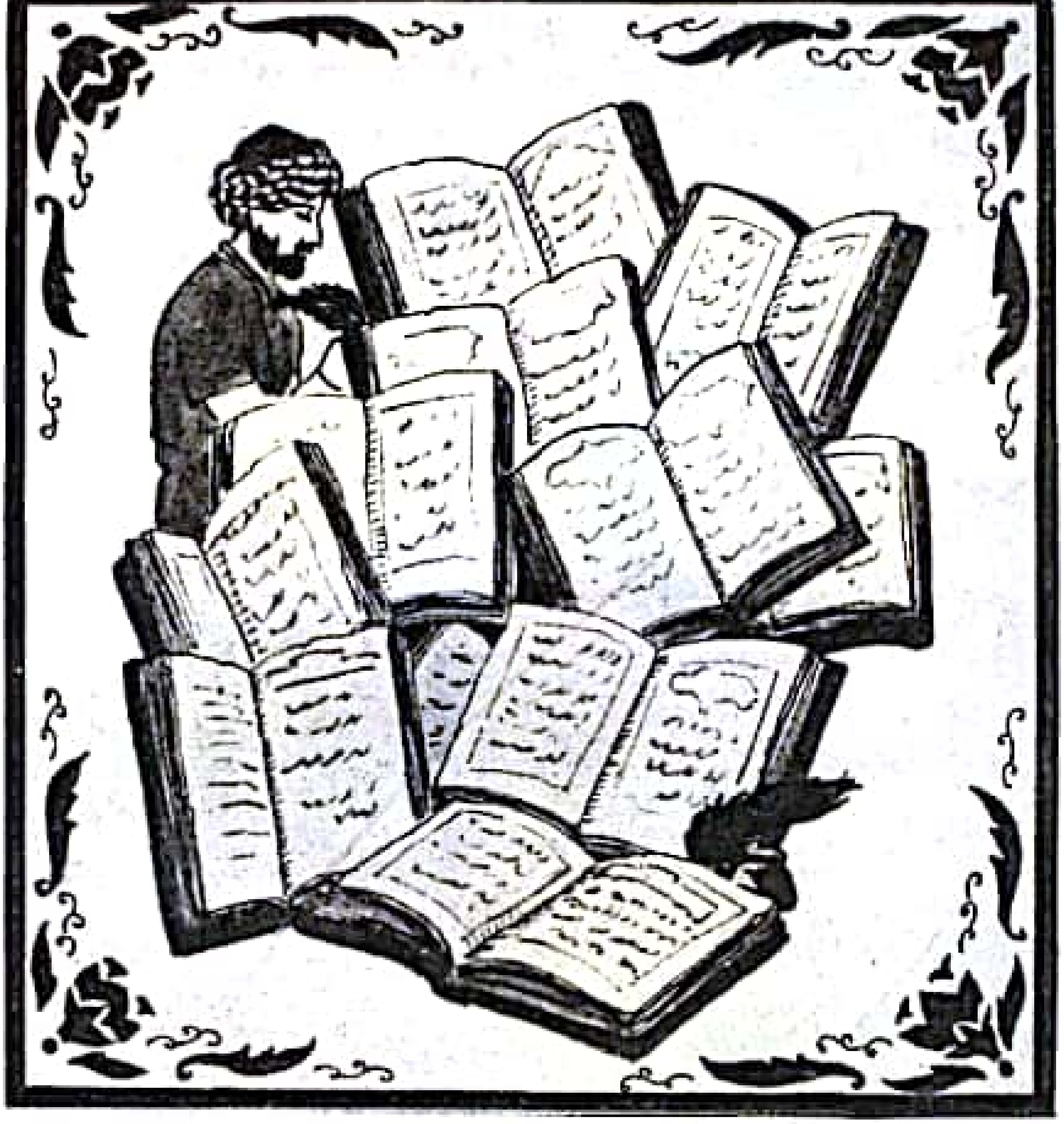


بھجوادیا اور امیر علی سرجاندار کی پہلی غلطی معاف کر دی گئی۔



خُسرو ان واقعات سے بہت متأثر ہوئے۔ وہ ملک چھجّو اور امیر علی سرجاندار دونوں ہی کے دربار میں رہ چکے تھے۔ ان کی یہ ذِلّت دیکھ کر انھیں بہت دُکھ ہوا۔ لیکن اب وہ جلال الدین کے وفادار درباری تھے۔ اسی زمانہ میں خسرو نے ایک چھوٹی سی مثنوی "مفتاح الفتوح"، یعنی فتح کی کنجی لکھی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر انھیں امیر کا خطاب دیا اور سالانہ تنخواہ مقرر کر دی۔ تبھی سے وہ امیر خُسرو کہلانے لگے اور آج تک اِسی نام سے مشہور ہیں۔

جلال الدین صرف چار سال تخت پر رہا۔ اس کے داماد اور بھتیجے علاء الدین نے اِسے دھوکے سے قتل کرا دیا اور خود بادشاہ بن گیا۔



علاء الدین کا زمانہ خسرو کی زندگی کا سنہرا دور تھا۔ اس زمانے میں خسرو کو عزّت بھی ملی اور دولت بھی۔ اسی زمانے میں انھوں نے پانچ مثنویاں لکھیں جو خمسۂ خسرو کے نام سے مشہور ہیں۔ آئینۂ سکندری۔ مطلع الانوار۔ شیریں خسرو، لیلیٰ مجنوں اور ہشت بہشت - ان مثنویوں کے علاوہ اس زمانے میں خسرو نے دو نثر کی کتابیں خزاین الفتوح اور اعجازِ خسروی لکھیں خسرو نے اسی دوران میں ایک مشہور تاریخی مثنوی دول رانی خضر خاں بھی لکھی جس میں علاء الدین کے بڑے بیٹے خضر خاں اور گجرات کے راجہ کرن کی بیٹی دول رانی کے عشق کی داستان بیان کی ہے۔



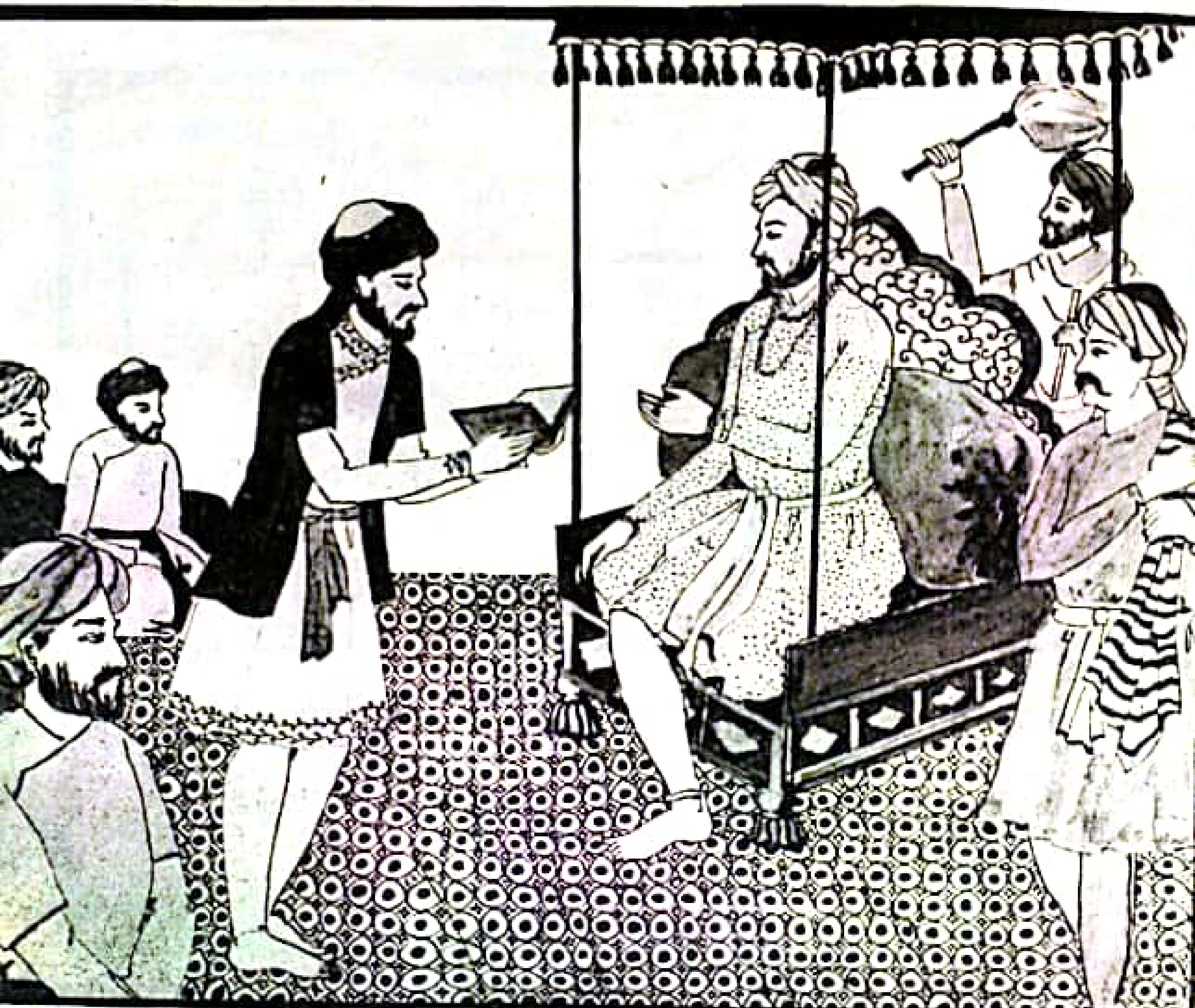
خضر خاں علاء الدین کا
جانشین تھا۔

لیکن علاء الدین کے سپہ سالار
ملک کافور نے باپ. بیٹے کے
دلوں میں میل ڈال دیا اور
علاء الدین کی آنکھ بند ہوتے
ہی تخت و تاج کے لالچ میں
خضر خاں کو گوالیار کے قلعے
میں، جہاں وہ قید تھا اندھا
کروا دیا۔





علاء الدین کے دوسرے بیٹے قطب الدین مبارک نے بڑی بے رحمی سے اپنے بڑے بھائی کو قتل کروا دیا۔ اور قطب الدین مبارک شاہ کے نام سے دہلی کا بادشاہ بن بیٹھا۔



قطب الدین مبارک خلجی آرام طلب بادشاہ تھا۔ ایک بار پھر دہلی کا دربار شراب کباب اور ناچ گانے میں ڈوب گیا۔ امیر خسرو نے دربار کی جھلکیاں اپنی مثنوی نہ سپہر میں دکھائی ہیں۔ اس مثنوی میں امیر خسرو نے بادشاہ کو بتایا کہ ایک اچھے بادشاہ کو کیسا ہونا چاہیے۔ لیکن اس آرام طلب بادشاہ کو کسی کی نصیحت کی کیا پرواہ تھی۔ اس آرام طلبی کا نتیجہ بُرا ہوا اور وہ اپنے ایک غلام خسرو خاں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ مبارک شاہ کے قتل کے ساتھ ہی خاندان خلجی کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔

پھر ایک بار ہندوستان میں ہر طرف فتنہ و فساد پھیلا۔ ہر امیر چاہتا تھا کہ دہلی کا بادشاہ بن جائے۔

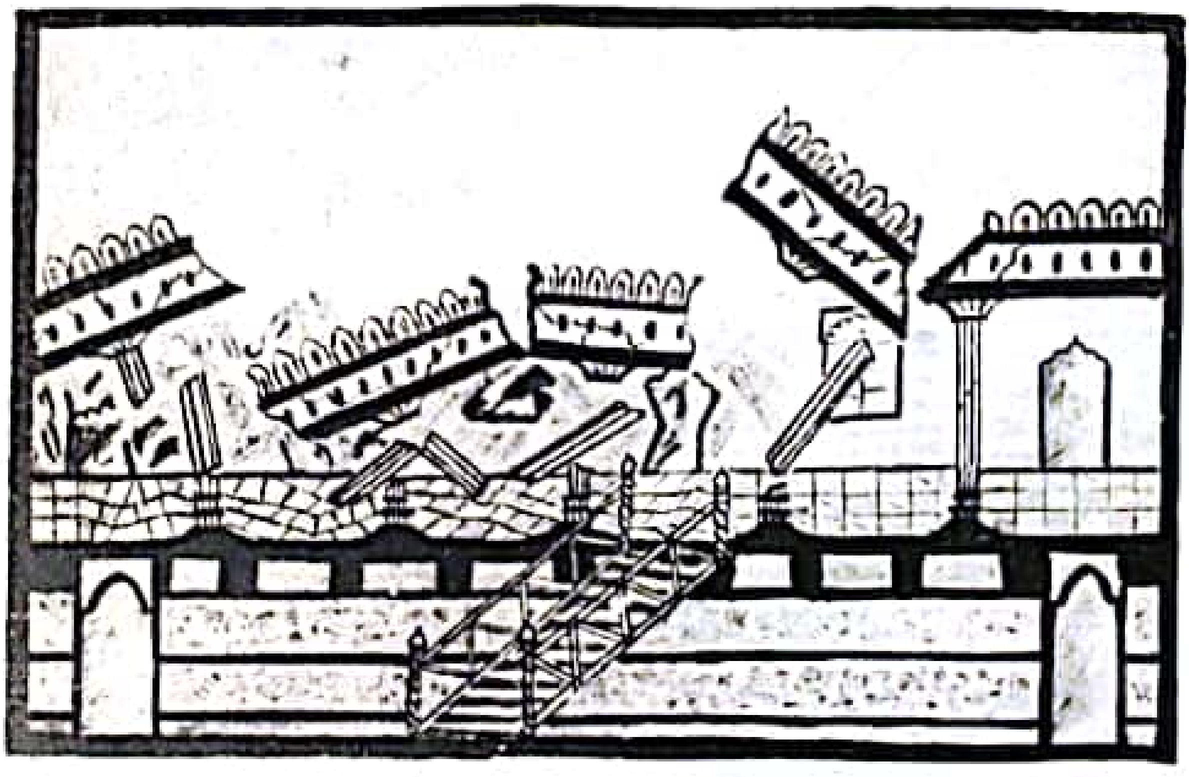


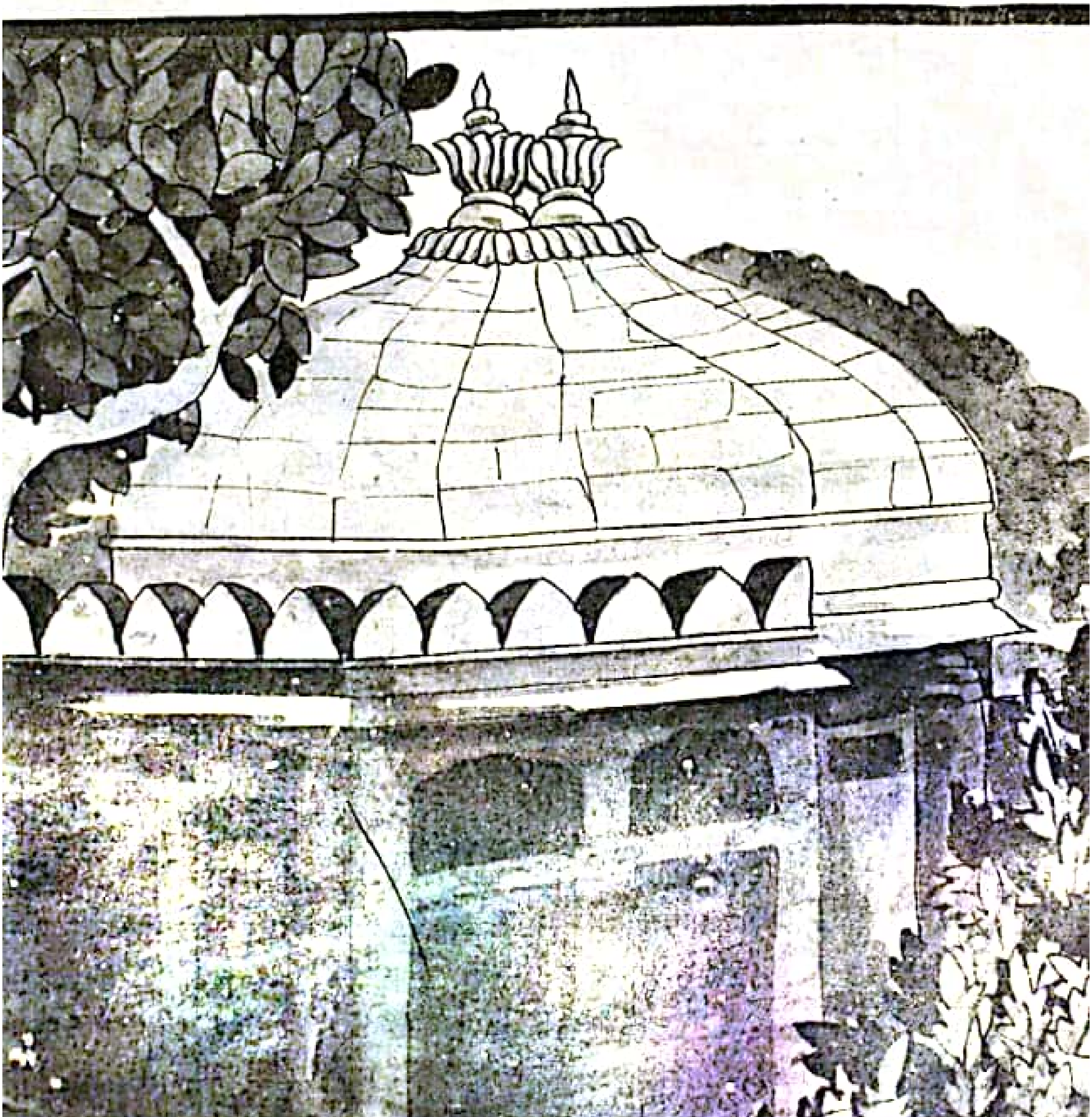
دیپال پور کے صوبہ دار غازی ملک نے خسرو خاں کے خلاف چڑھائی کی اور اسے ہرا کر سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اب غازی ملک غیاث الدین تغلق کے نام سے دلّی کے تخت پر بیٹھا۔ اس طرح تغلق خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔



غیاث الدین تغلق نے حکومت سنبھالتے ہی امیر خسرو کو اپنے دربار میں بڑی عزت کی جگہ دی۔ امیر خسرو نہ صرف غیاث الدین تغلق کے دربار میں رہے بلکہ شہزادہ جونا خان (محمد تغلق) کے تخت نشین ہونے کے وقت بھی زندہ تھے۔ اسی زمانے میں انھوں نے مثنوی تغلق نامہ لکھی جس میں غیاث الدین تغلق اور پرواریوں کی لڑائی کا حال بیان کیا گیا ہے۔

جب غیاث الدین تغلق لکھنوتی کی مہم پر گیا تو امیر خسرد کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ واپسی پر کچھ گھنٹوں کے لیے افغان پور (دہلی) میں شہزادہ جونا خاں کے پاس ٹھہرا۔ شہزادہ جونا خاں نے بادشاہ کے استقبال کی بڑی شان دار تیاری کی تھی اور قیام کے لیے خاص طور پر لکڑی کا محل تیار کروایا تھا۔ بادشاہ نے اِسی محل میں قیام کیا۔ لیکن یہ محل اچانک گر پڑا اور بادشاہ اُس میں دب کر مر گیا۔

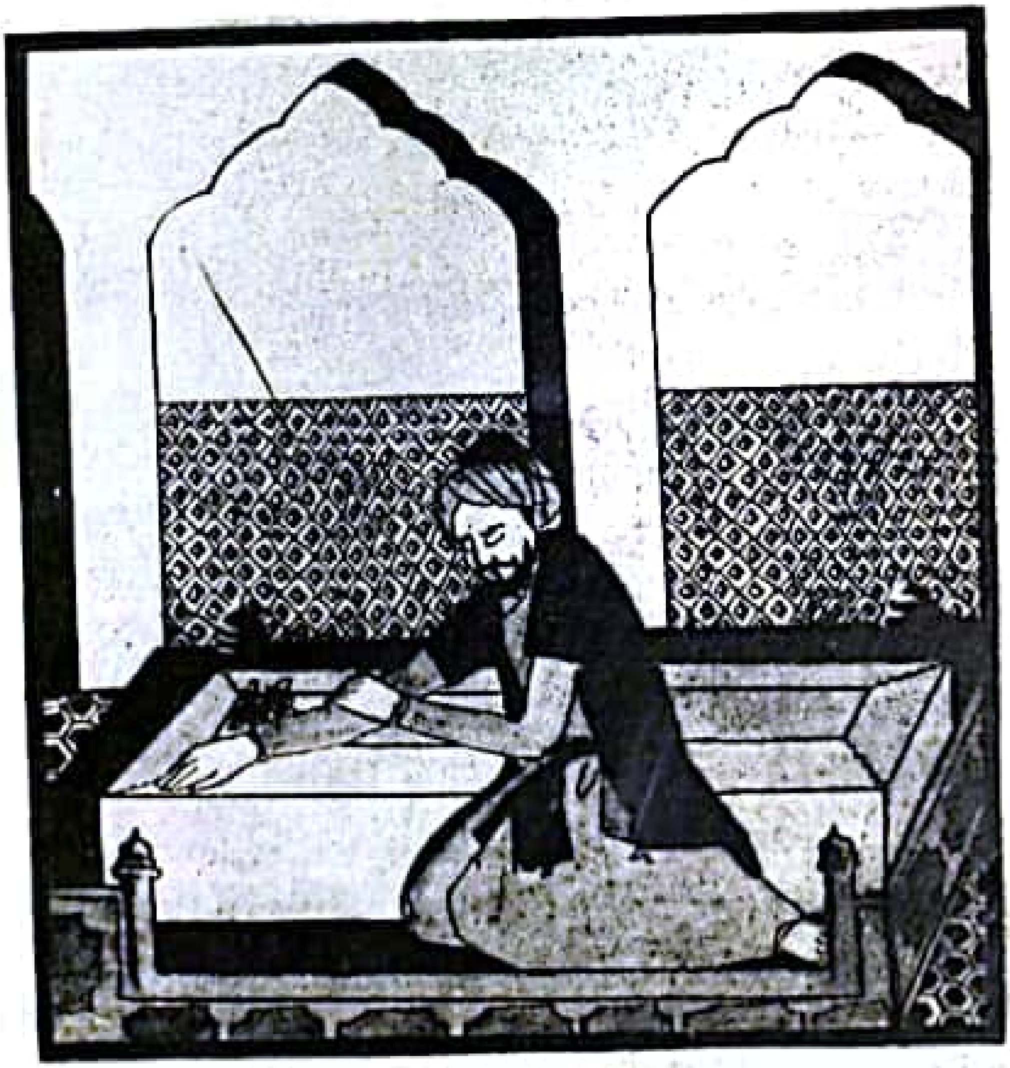


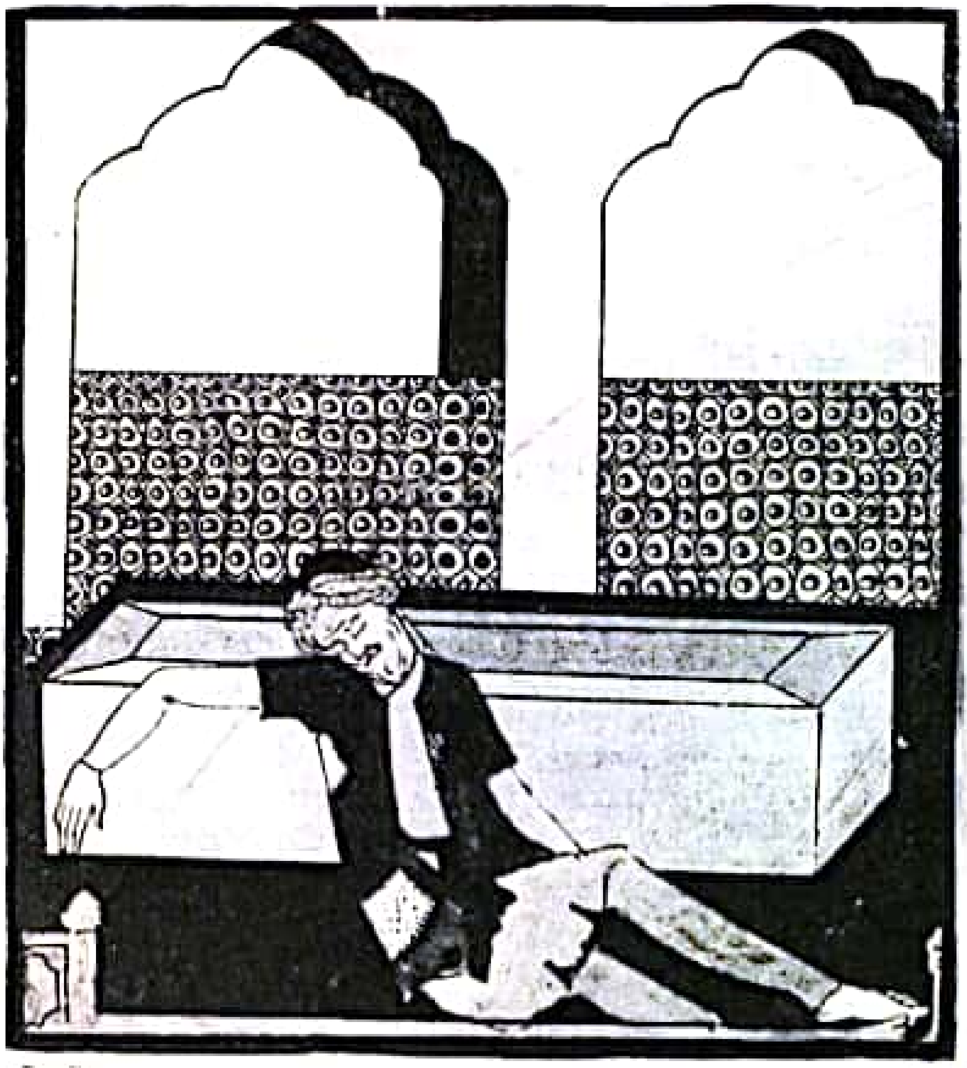


خسرو ابھی بنگال سے واپس نہ ہوئے تھے۔ جیسے ہی انھوں نے سُنا کہ پیر و مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ بیمار ہیں، وہ بڑی مشکل سے رخصت لے کر دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ دہلی پہنچتے ہی انھیں اپنے مرشد کے انتقال کی خبر ملی۔

امیر خسرو کو حضرت نظام الدین اولیاؒ سے بہت محبت تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بھی امیر خسروؒ سے دِلی لگاؤ تھا، اور وہ بھی انھیں ترک اللہ کہا کرتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کہتے تھے کہ "خدا جب مجھ سے پوچھے گا کہ نظام الدین دُنیا سے کیا لائے ہو تو میں خدا کے حضور میں خسرو کو پیش کروں گا۔"

امیر خسرو حضرت نظام الدین اولیاء کی قبر پر
آکر خوب روئے اور غم سے بے حال ہو گئے۔
خسرو نے اپنی درباری زندگی بالکل ترک کر دی۔
اپنی ساری دولت فقیروں اور غریبوں میں بانٹ
دی اور مرشد کی قبر سے ٹک کر بیٹھ گئے۔

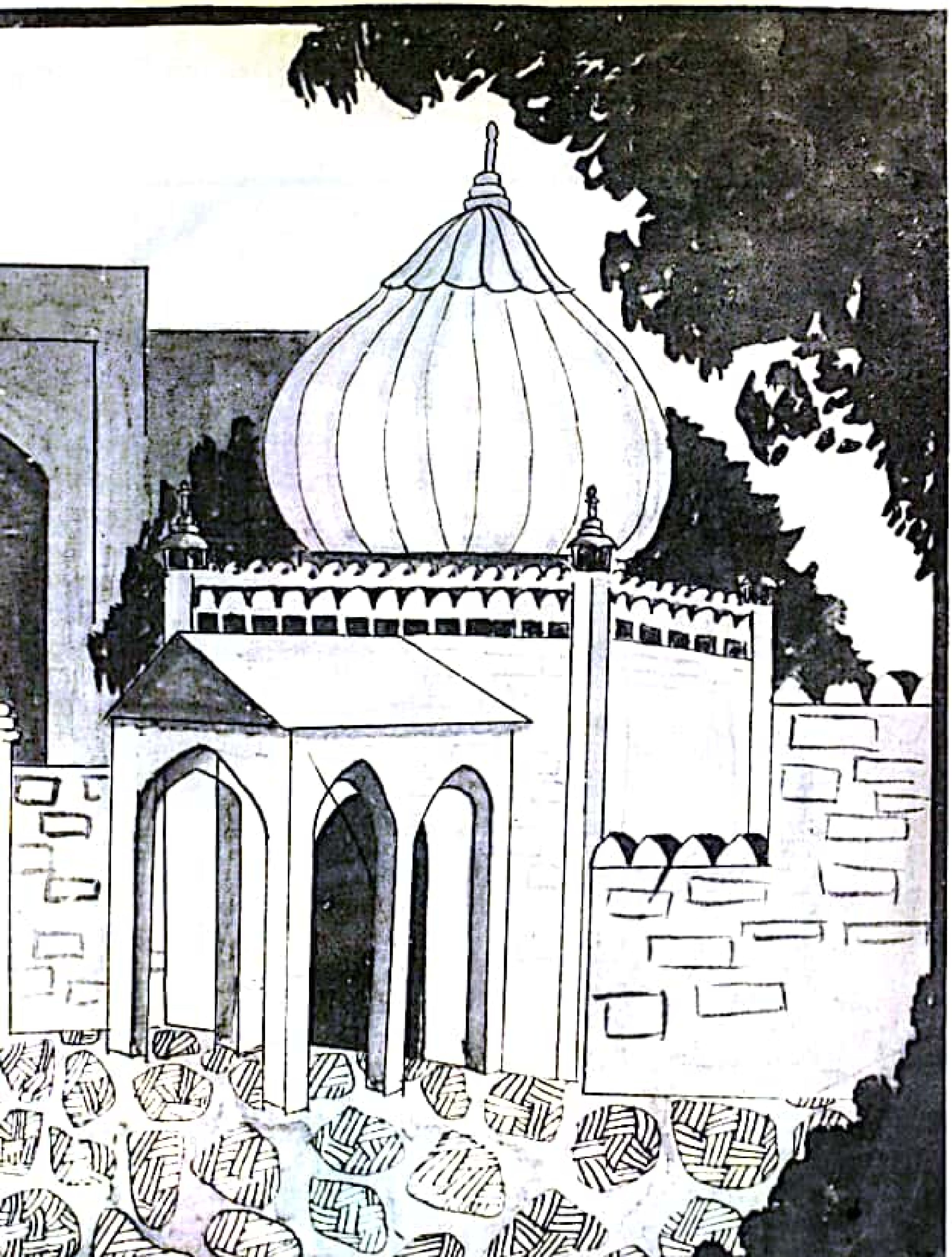




چھے مہینے بعد ۱۸ر شوال ۱۳۲۵ عیسوی کو

۷۳ سال کی عمر میں دُنیا سے

رخصت ہو گئے۔



حضرت نظام الدین اولیا کی وصیت تھی کہ امیر خسرو کو ان کے برابر ہی دفن کیا جائے لیکن لوگوں نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر پیر اور مرید کی قبروں کی پہچان مشکل ہو جائے اس لیے امیر خسرو کو حضرت نظام الدین اولیا کی پائنتی دفن کیا گیا۔ کہتے ہیں انتقال سے پہلے انھوں نے یہ دوہا کہا۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چہوں دیس

امیر خسرو کو دنیا سے رخصت ہوئے سات سو سال ہو گئے ہیں لیکن آج تک ان کی یاد باقی ہے۔

امیر خسرو کو اپنے وطن ہندوستان کی ہر چیز سے پیار تھا۔ یہاں کے شہر، لوگ، ان کے رسم رواج، ان کی عقلمندی، خوب صورتی، یہاں کی زبانیں، جانور، آب وہوا، پھل، پھول اور موسیقی یہ سب خسرو کو بے حد پسند تھے۔ اور انھیں اپنے ہندوستانی ہونے پر بڑا فخر تھا۔

امیر خسرو کے زمانے میں درباری زبان فارسی تھی۔ لیکن امیر خسرو نے عام لوگوں کی زبان میں، جسے وہ ہندوی کہتے ہیں شعر کہے۔ اسی لیے خسرو کو ہندوی یا ہندستانی کا پہلا شاعر کہا جاتا ہے



امیر خسرو فارسی اور ترکی خوب جانتے تھے۔ کہتے ہیں انھوں نے صرف فارسی میں ہی چار لاکھ شعر کہے تھے۔ ان کے فارسی قصیدے، نظمیں اور غزلیں تو چھپ کر محفوظ ہو گئی ہیں لیکن ہندی کا کلام ضائع ہو گیا یا بکھر گیا ہے۔ اب جو ہمیں شمالی ہندوستان کے دیہات میں یا گائیکوں کی زبان سے سُنائی دیتا ہے، بہت کچھ ادل بدل گیا ہے۔ پھر بھی جو کچھ اُن کے نام سے منسوب ہے وہ بہت دل چسپ اور مزے دار ہے۔

خسرو بچّوں سے بے حد پیار کرتے تھے۔ انھوں نے بچّوں کے لیے بہت سی
پہیلیاں بھی لکھی ہیں۔ جو بہت مزے دار اور دل چسپ ہیں۔ جیسے،

ایک تھال موتیوں سے بھرا
سب کے سر پہ اوندھا دھرا
چاروں اور وہ تھال پھرے
موتی اس سے ایک نہ گرے

(آسمان



بیسوں کا سر کاٹ لیا
نہ مارا نہ خون کیا

(ناخن

ایک کہانی میں کہوں سن میرے پوت
بن پنکھوں وہ اُڑ گیا باندھ گلے میں سوت

(پتنگ)

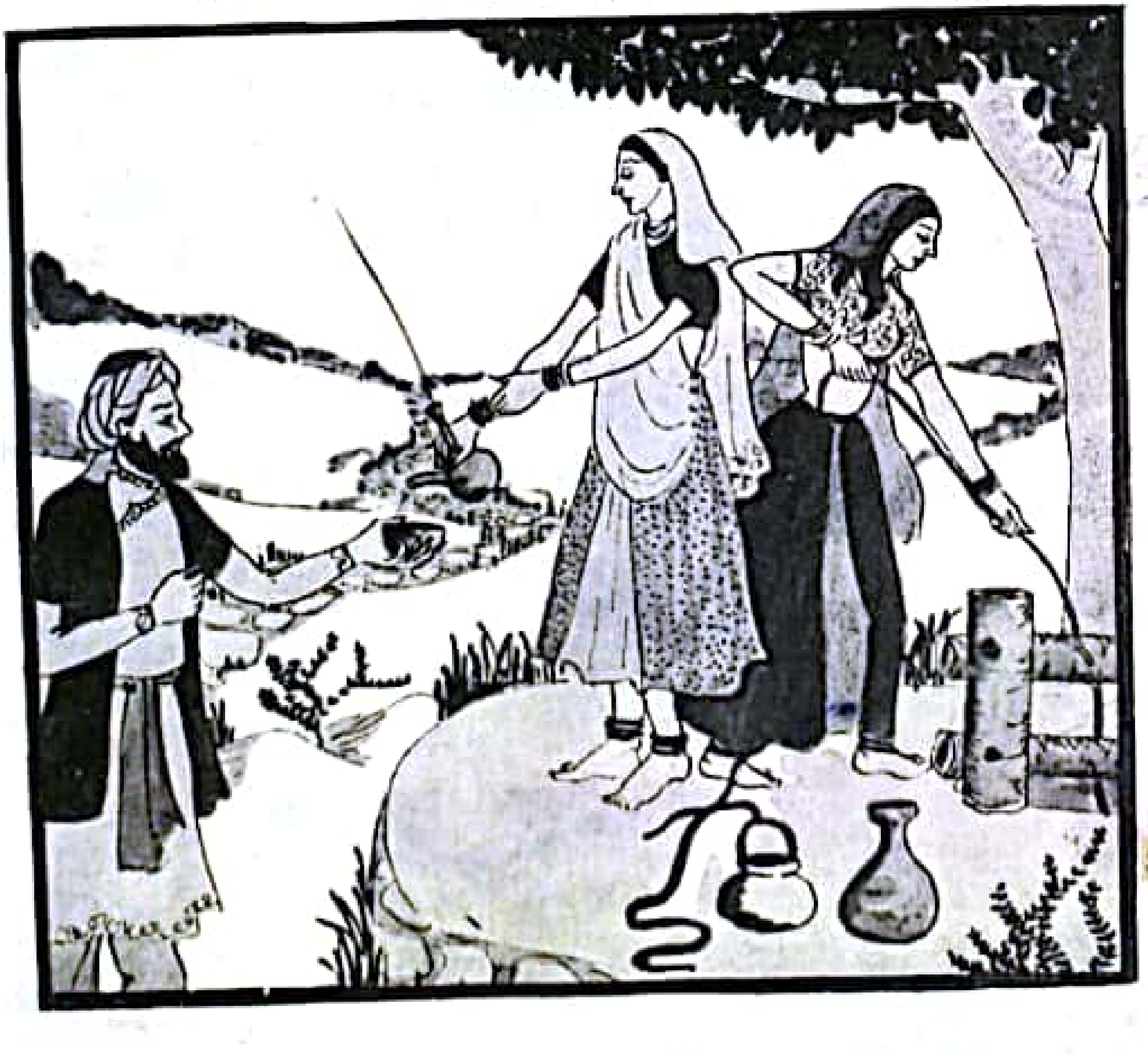


امیر خسرو ٹُک بندی کے بھی ماہر تھے۔ وہ بھی ایسی کہ ایک دفعہ کوئی پڑھ لے تو بھول نہ سکے۔ کہتے ہیں امیر خسرو ایک بار سفر پر کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں پیاس لگی۔ سامنے کنواں دکھائی دیا جہاں چار عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔ امیر خسرو وہاں پہنچے اور ان سے پانی مانگا۔ جیسے ہی ان عورتوں کو معلوم ہوا کہ پیاسا مسافر مشہور شاعر خسرو ہے تو بہت خوش ہوئیں اور کہا بھئی پانی تو تب ملے گا جب ہمارے دیے ہوئے چار لفظوں کو جوڑ کر ایک شعر کہہ دو۔ وہ لفظ تھے۔ کھیر۔ چرخا۔ کتا۔ ڈھول۔ امیر خسرو ہنسے اور بولے۔

کھیر پکائی جتن سے اور چرخا دیا جلا

آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا

لا پانی پلا ـــــ



مُکّرنیوں اور پہیلیوں کے علاوہ امیر خسرو نے دوہے بھی لکھے ہیں

ان میں سب سے مشہور دوہا یہ ہے ۔

؎ گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس ؛ چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چہوں دیس

امیر خسرو کی لکھی نظمیں، غزلیں اور مثنویاں آج بھی جب پڑھی جاتی ہیں

تو لوگ جھوم اُٹھتے ہیں ۔

خسرو کی زندگی بادشاہوں کے درباروں میں گزری اور

ایسے بادشاہوں کے ساتھ جو ناچ گانے کے شوقین تھے ۔ امیر خسرو

کی آواز بہت میٹھی تھی اور انھیں گانے کا بے حد شوق بھی تھا ۔

انھوں نے بحر، وزن اور تال میں دل چسپی لی اور مختلف تالیں

ایجاد کیں۔ کہا جاتا ہے ڈھولک طبلہ اور ستار بھی انھیں

کی ایجاد ہے ۔ لیکن اس کا کوئی پکّا

ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے ۔



مذہبی موسیقی میں قوّالی ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ۔



امیر خسرو اپنے زمانے کے بہت مشہور آدمی تھے ۔ ہر جگہ ان کی عزّت تھی ۔ ہر ایک ان کی قدر کرتا تھا ۔ لیکن پھر بھی امیر خسرو میں غرور نام کو نہ تھا ۔ وہ بہت سادہ مزاج آدمی تھے ۔ ہر ایک سے بڑی ملنساری سے ملتے تھے نہ کبھی کسی کا دل دکھایا نہ کسی کو تکلیف پہنچائی ۔ امیر خسرو غریبوں کے دوست اور انسانوں کے سچے ہمدرد تھے ۔